eISSN: 2791-0342
pISSN:2791-0334

پریم چند کے افسانوں میں ایثار پسند کا آرکی ٹائپ

The Archetype of the 'Altuist' in Premchand's Short stories

ڈاکٹر محمد نصر اللہ
لیکچرار شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج برائے خواتین یونیورسٹی، سیالکوٹ

Dr Muhammad Nasullah
Lecturer, Department of Urdu,
Govt College Women University, Sialkot

Abstract:

This article seeks first to explain the defining features of the archetype of the Altruist and then traces its instances in Premchand's Short stories. In Premchand's fiction, there are not only characters who oppress the working class, but also those who love humanity. Many of Premchand's fictional characters live under the paradoxical reality that true happiness springs from a man's heart when he express feelings of tenderness, love and kindness to others. In this article, an attempt has been made to bring out the fictional characters of Premchand, which are not show only the dark side of humanity; Rather they also show a bright side. .

Keywords: Archetype, Altruist, Psychology, Fiction, Humanity.

انفرادی لاشعور کے علی الرغم اجتماعی لاشعور کا اظہار آرکی ٹائپس کے ذریعے ہوتا ہے۔ آرکی ٹائپس انسانی ذہن کے اولین سانچے ہیں۔ یہ انسانی نفسیات میں نقش و پیوست آتے ہیں۔ آرکی ٹائپس بدلتے نہیں ہیں۔ آج تک نہیں بدلے ہیں۔ آج بھی انسان نفرت کے، محبت کے

جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ انسان بہ ظاہر بہت بدل گیا ہے؛ مگر اندر سے نہیں بدل سکا۔ جنگ بندی آج تک ختم نہیں ہو سکی۔ محبت کا سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے۔

آرکی ٹائپس اپنی ماہیت میں منفی یا مثبت نہیں ہوتے؛ تاہم یہ انسان کی ازلی، نسلی، وراثتی خصوصیات سے ضرور ہم کو آگاہ کرتے ہیں۔ انسانوں کے تمام افکار و اعمال کے پس پردہ آرکی ٹائپس کی کار فرمائی سے انکار ممکن نہیں۔ دنیا کے تمام ادب میں دو قسم کے کردار نظر آتے ہیں۔ ایک وہ جو انسانیت کے دل میں چھید ڈالتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اس زخمی حصے پر مرہم رکھنے کا کام کرتے ہیں۔ ایک طاقت ور کے ساتھ مل کر اپنی "کمزوری" پر قابو پاتے ہیں؛ دوسرے کمزوروں کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنی "طاقت" میں اضافہ کرتے ہیں۔ ان دونوں طبقوں کے درمیان تصادم ازل سے جاری ہے۔ اگرچہ پریم چند نے ان دونوں طبقات کے درمیان ٹکراؤ کو خاص طور پر اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے؛ مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کا تخیل محض سرمایہ دار اور مزدور طبقے کی کشمکش تک ہی محدود رہا ہو؛ بلکہ پریم چند انسانی نفسیات کی گہرائیوں میں اتر کر "انسان" کی داخلی دنیا کو جاننے کی جستجو بھی کرتے ہیں۔

ابتدائی اردو افسانے میں سماجی حقیقت نگاری پر مبنی افسانے لکھے گئے۔ سماجی حقیقت نگار کے طور پر پریم چند کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ بادی النظر میں یہی لگتا ہے کہ سماجی حقیقت نگار کا رشتہ داخلی دنیا سے کمزور ہوتا ہے؛ لیکن پریم چند کے بارے میں یہ رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ ان کے افسانوں میں نفسیاتی حقائق کا سراغ بھی ملتا ہے۔ وہ اپنے خطوط اور مضامین میں نفسیاتی حقائق کے اظہار کی اہمیت پر بات کرتے ہیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"کوئی واقعہ افسانہ نہیں تاوقتیکہ وہ کسی نفسیاتی حقیقت کا اظہار نہ کرے۔"(۱)

مزید برآں وہ اپنے ایک مضمون میں بھی فکشن میں نفسیاتی حقیقت نگاری کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں:

"اعلیٰ ترین مختصر افسانہ وہ ہوتا ہے جس کی بنیاد کسی نفسیاتی حقیقت پر رکھی جائے۔ نیک باپ کا نالائق اولاد کی زبوں حالی میں رنجیدہ ہونا ایک نفسیاتی حقیقت ہے۔۔۔ برا شخص بالکل برا نہیں ہوتا۔ اس میں کہیں فرشتہ ضرور چھپا ہوتا ہے۔ یہ نفسیاتی حقیقت ہے۔ اس پوشیدہ یا خوابیدہ فرشتہ کو ابھارنا اور اس کا سامنے لانا ایک کامیاب افسانہ نگار کا شیوہ ہے۔"(۲)

مذکورہ بیان کے پیش نظر پریم چند کے افسانوں میں ہر دو طرح کے کردار نظر آتے ہیں۔ ایک وہ جن پر ان کی ذات کا تاریک حصہ (Shadow) حاوی رہتا ہے۔ ایسے کرداروں کی تعداد کم نہیں ہے۔ پریم چند کے معروف افسانہ "کفن" کے مرکزی کرداروں گھیسو اور مادھو ہی کو دیکھ لیا جائے۔ ان کے جھونپڑے میں بے کفن لاش (بدھیا) پڑی ہے۔ بدھیا گھیسو کی بہو ہے۔ مادھو کی بیوی ہے۔ باپ بیٹا کفن کے پیسے مانگ تانگ کے اکٹھے کرتے ہیں۔ کفن خریدنے کے بجائے اس کا کھانا اڑا جاتے ہیں۔ دونوں کردار انتہا درجے کی بے حسی کا اظہار کرتے ہیں۔ "راہ نجات" کا بدھو اور جھینگر کیا کرتے ہیں؟ جھینگر بدھو کی بھیڑوں کو اپنے کھیت کے پاس سے گزرتے دیکھتا ہے، اسے راستہ بدلنے کا کہتا ہے۔ بدھو سستی سے کام لیتا ہے۔ دونوں میں ان بن ہو جاتی ہے۔ جھینگر اس کی بھیڑوں پہ غصہ نکالتا ہے۔ بدلے میں بدھو چوری چھپے اس کے کھیت کو آگ لگالیتا ہے۔ غصے اور انتقام کی آگ پھیلنا شروع ہو جاتی ہے۔ اب جھینگر بدلہ لینے کے لیے اس کی بھیڑوں میں بچھیا باندھ کر مروا دیتا ہے۔ اس پر گئو ہتھیا کا الزام لگوا دیتا ہے۔ دونوں اپنے آپ کے، ایک دوسرے کے ہاتھوں ذلیل ہوتے ہیں۔ دونوں غصے اور انتقام کی صورت میں اپنی ذات کی تاریکی کا اظہار کرتے ہیں۔ پریم چند کے اور بھی کئی افسانوی کردار اپنی ہی ذات سے پیدا ہونے والی ظلمت کا شکار ہوتے ہیں؛ بایں ہمہ ان مثالوں کے علی الرغم ان کے کچھ افسانوں میں ایک ہی کردار کے تاریک پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس کی ذات کے روشن منطقوں کی جستجو بھی کی گئی ہے؛ یعنی ان کے افسانوں میں برے انسانوں کے اچھے رخ بھی سامنے آتے ہیں۔ بلاشبہ برے کردار ماں کی کوکھ سے ہی پاپی پیدا نہیں ہوتے۔ وہ عام انسانوں کی طرح ہی اجتماعی وراثت سے اپنی ذات میں کچھ کمزور پہلو لیے دنیا میں آتے ہیں۔ کچھ اپنی ذات کے کمزور پہلوؤں کا سامنا کرنے سے کنی کتراتے ہیں؛ جبکہ کچھ اپنی ذات کے تاریک حصے کا جرات سے سامنا کرتے ہیں۔ یہ برائی کے روبرو ہونے والے کردار ہی اندھیر نگری سے نکل کر روشن خطے میں جانے کی کاوش کرتے ہیں۔ کوئی شخص مستقل طور پر روشنی میں رہنے کا دعوی نہیں کر سکتا۔ (یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ "چلتی ندی" میں میل نہ آئے۔) بعینہ برے سے برا انسان بھی اپنے اندر اچھائی کے کچھ نہ کچھ امکانات رکھتا ہے۔ انسان روشنی اور تاریکی کا مجموعہ ہے۔ وہ فرشتہ نہیں؛ شیطان نہیں، وہ ان دونوں کے درمیان ایک امتحان ہے۔ وہ کبھی دائیں طرف ہو جاتا ہے؛ کبھی بائیں طرف۔ کبھی ایک پلڑا بھاری تو کبھی دوسرا۔

پریم چند کے افسانوی کردار بائیں جانب سے دائیں جانب آتے ہیں تو ان کے ہاں یہ تبدیلی غیر فطری نہیں، فطری معلوم ہوتی ہے۔ پریم چند کا افسانوی تخیل برے اشخاص کے بہتر انسان ہونے کے امکانات کو نظر انداز نہیں کرتا۔ ان کے کئی افسانوی کردار احساس جرم میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے ضمیروں کو مار نہیں پاتے۔ ان کے ضمیر انھیں اپنے کیے کی سزا دیتے ہیں۔ بلا اشتباہ پریم چند نے پسے ہوئے طبقے کی حمایت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اپنے افسانوں میں انسانی خود غرضی اور اشرافیہ کے ظلم و استحصال کو خاص طور پر نمایاں کیا۔ اسی حقیقت کے پیش نظر ناقدین کی بڑی تعداد نے بالعموم ان کے انھی افسانوں کو تنقید کا موضوع بنایا جن میں انسانی زندگی کا کوئی نہ کوئی تاریک پہلو سامنے آتا ہے

؛جبکہ پریم چند کے افسانوی کرداروں سے متعلق ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ ان کے فکشنل کرداروں میں انسانی ذات کے روشن پہلو بھی سامنے آتے ہیں۔ انسانی فطرت کے عمیق مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسان اپنے اندر محبت کے علاوہ نفرت، غصے، حسد اور لالچ کے جذبات بھی رکھتا ہے۔ان دو طرح کی جبلتوں میں سے کسی ایک کا انکار، انسان کی اصل کو سمجھنے سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ کبھی انسان فرشتہ نظر آتا ہے کہ لگتا ہی نہیں، اس کے اندر کوئی شیطان بھی گھر کر سکتا ہے اور کبھی وہ شیطان کہ لگتا ہے اب اس سے انسانیت کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ در حقیقت فرشتہ صفت انسان کے بھٹکنے کا اور بھٹکے ہوئے انسان کے اندر بہتر انسان بننے کا امکان ختم نہیں ہوتا۔ تخریبی جبلت کے غلبے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ تعمیری جبلت کا خاتمہ ہو گیا ہو؛ بعینہ محبت کی کیفیت میں جینے کا معنی بھی یہ نہیں ہوتا کہ نفرت کی جبلت مر گئی ہو۔ محبت کے عالم میں جینے کے دوران میں نفرت کا احساس خوابیدہ ہوتا ہے، مردہ نہیں۔ اس حقیقت کے امکان کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ ایک انسان اپنی انفرادی کوشش سے اپنے مقدر میں لکھی تاریکی کو بڑی حد تک کم کرنے میں کامیاب ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ روشنی کا راستہ بھول کر ہی رہ جائے، پاگل ہو جائے، خودکشی کر لے یا زندگی سے محض مایوسی کا تعلق قائم کر بیٹھے۔

مذکورہ مبحث کے پیش نظر پریم چند کے کچھ افسانوی کردار اپنی ذات میں اس قدر مبتلا ہیں کہ دوسروں کے حق پہ ڈاکا ڈالتے ہیں؛ جبکہ ایسے کردار بھی کم نہیں جو دوسروں کی خاطر جینا صحیح معنوں میں اپنی خاطر جینا سمجھتے ہیں۔ پریم چند کے کئی افسانوی کرداروں پر ایثار پسند (Altruist) کا آرکی ٹائپ غالب ہے۔ اس آرکی ٹائپ کے زیر اثر انسان اپنی ذات سے بالاتر ہو کر دوسروں کی خوشی کے بارے میں سوچتا ہے۔ وہ دوسروں کی مشکل کو آسان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کی خدمت کرتا ہے۔ خیرات کرتا ہے۔ بیماروں کی تیمار داری کرتا ہے۔ ایک استاد، نرس، ماں یا ایک فلاحی انسان (عبدالستار ایدھی) میں اس آرکی ٹائپ کے امکانات فطری طور پر زیادہ ہوتے ہیں۔ آرکی ٹائپس انسانی رویوں کو سمجھنے کے حوالے سے آفاقی اور پیدائشی نمونے ہیں۔ یہ اولین نقش ہمارے آباؤاجداد کے ذریعے، اجتماعی لاشعور کے ذریعے فطری طور پر ہم تک منتقل ہوتے ہیں۔ گویا ایک نومولود بچے کا ذہن محض ایک صاف ورق کی طرح نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ مخصوص اور بنیادی انسانی رویوں کے نمونے اپنے ساتھ لے کے آتا ہے۔ ان نمونوں میں سے کوئی ایک نمونہ ایک وقت میں آدمی پر غالب رہتا ہے۔ کارل ژونگ، سگمنڈ فرائیڈ کے لاشعور کے نظریے سے آگے بڑھ کر اجتماعی لاشعور کی بات کرتا ہے تو گویا وہ انسانی شخصیت سے متعلق ان اولین نمونوں کی اہمیت کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ کارل ژونگ جن چار بنیادی آرکی ٹائپس کا ذکر کرتا ہے، وہ Shadow, Anima/ Animus, Self and Persona ہیں؛ مگر واضح رہے کہ آرکی ٹائپس کی تعداد محض اتنی نہیں ہے؛ البتہ ژونگ مزید بارہ آرکی ٹائپل امیجز کا ذکر کرتا ہے:

Ruler, Creater, Sage, Inocent,Explorer, Rebel, Hero, Wizard, Jester, Caregiver, Lover, Everyman.

کیرول ایس پیرسن نے بھی انھی آرکی ٹائپس پر اپنی کتابیں لکھیں۔ وہ اپنی کتاب The Hero Within میں چھ آرکی ٹائپس کا؛ جبکہ Awakening the Hero Within میں انھی مذکورہ بارہ آرکی ٹائپس پر تفصیل سے لکھتی ہیں۔ پریم چند کے کرداروں کی ایک بڑی تعداد Caregiver آرکی ٹائپ کے زیر اثر نظر آتی ہے۔ یہ کردار ایثار پسندی، قربانی، بے غرضی، فیاضی، محبت اور وفا کے جذبات سے معمور ہیں۔ دنیا کے تمام مذاہب اور ان کے بانی بھی اپنی خواہشات کو تج کر، دوسروں کی پروا کرنے کو ترجیح دیتے ہیں تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان کو دوسروں کا خیال رکھنے، ان کی خدمت کرنے کی صلاحیت انسانی ورثے سے بھی ودیعت شدہ ہے۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنی کوشش سے اس صلاحیت کو کس حد تک پروان چڑھاتا، اس کا کس حد تک اظہار یا انکار کرتا ہے۔ بہت سے لوگ دوسروں کا اس لیے احساس نہیں کر پاتے کہ وہ زندگی کی مشکلوں میں اس قدر گھرے ہوتے ہیں کہ انھیں اچھے احساسات کے اظہار کے مواقع نہیں مل پاتے۔ بسا اوقات ہم خود بھی دوسروں کے دل میں موجود محبت، قربانی اور دردمندی کے جذبات کو جگانے میں بھی ناکام رہتے ہیں۔ کچھ لوگ بنیادی ضرورتوں سے آگے ہونے کے باوجود دوسروں سے تعاون کا اظہار نہیں کر پاتے؛ جبکہ کچھ کم وسائل ہونے کے باوجود بھی فراخ دل ہوتے ہیں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ دوسروں سے محبت کرنے کے لیے آدمی کو کوشش کرنی پڑتی ہے۔ ہر کوئی یہ کوشش نہیں کر پاتا۔ پریم چند کے ہاں ایسے کرداروں کی تعداد کم نہیں ہے جو یہ کوشش کرتے ہیں۔ اس کوشش کے انسان کی اپنی ہی زندگی پر کس قدر صحت مندانہ اثرات مرتب ہوتے ہیں، کیرول ایس پیرسن بدھ تعلیمات کے تناظر میں اس کوشش کے ثمر آور نتائج کی طرف توجہ دلاتی ہیں:

> Buddist practice teaches us to find happiness by letting of our desires. Paradoxically, we can find satisfaction not through getting what we want , but by sacrificing ego attachment for the greater good of transcendent bliss.(3)

پریم چند کے افسانوی کردار حقیقی خوشی کے لیے اپنی خواہشات، انا اور وابستگیوں سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ وہ دوسروں کے بارے میں سوچتے ہیں۔ بہ ظاہر ایسا کرنا مشکل ہے؛ مگر انسان کے اندر ایسا کرنے کی صلاحیت اور امکان ضرور موجود ہوتا ہے۔ پریم چند کے کردار اس امکان کی جستجو کرتے ہیں۔ ان کرداروں کا میلان خیر اعلا(Summumbonum) کی طرف ہے۔ مثلاً افسانہ "قزاقی" کا کردار قزاقی اپنے مالک کے ظلم و ستم سہنے کے باوجود اس کے بیٹے کی محبت کو دل سے نکال نہیں پاتا۔ اس کا یہی رویہ اسے ممتاز کرتا ہے۔ افسانہ "عید گاہ" کے دونوں کردار ایک

دوسرے کے لیے سوچتے ہیں۔ عید کے روز دادی سے ملنے والے تین پیسے، حامد اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بجائے، یہ سوچ کر اس کے لیے دست پناہ خرید لیتا ہے کہ اب توے سے اس کی انگلیاں جلنے سے بچ جائیں گی۔

"حج اکبر" میں دایہ اور بچے کی محبت مثالی ہے۔ دایہ کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔ بچہ اس کی جدائی میں بیمار پڑ جاتا ہے۔ دایہ حج کرنے چل دیتی ہے۔ والدین اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ وہ بچے کی محبت پر حج قربان کر دیتی ہے۔ وہ حج کرنے سے قبل حج کرنے کی معنویت جان جاتی ہے۔ "بے غرض محسن" میں تخت سنگھ ریوتی رانی کے سات سالہ بیٹے ہیرا من کو ڈوبنے سے بچاتا ہے۔ اس کی جان بچا کر شکریہ کے لفظ سننے کے بجائے غائب ہو جاتا ہے۔ وقت گزرنے پر ہیرا من بڑا زمیندار بن جاتا ہے۔ وہ تخت سنگھ کی تذلیل کرتا ہے، مگر وہ اسے احسان نہیں جتلاتا۔ تخت سنگھ اس راز کو من میں لیے دوسرے جہاں چل بستا ہے۔ بعد میں اس کی بیوی بھی اس راز کی حفاظت کرتی ہے۔ تخت سنگھ کی بیوی ٹھکرائن پر ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ وہ فاقوں مرنے لگتی ہے۔ ریوتی رانی اسے بتاتی ہے کہ وہ اس بے غرض محسن کا مندر بنوانے کے لیے دو ہزار روپیہ جمع کر چکی ہے جس نے اس کے بیٹے کی جان بچائی تھی۔ یہ سب سن کے بھی ٹھکرائن چپ رہتی ہے۔ رانی کا ٹھکرائن سے اچھا تعلق تھا۔ اس نے تخت سنگھ کی زندگی میں جب اس مجبور جوڑے کی مدد کرنے کی کوشش کی تھی تو تخت سنگھ نے کہا:

> "ریوتی نے روپوں نے کی ایک چھوٹی سی پوٹلی ٹھکرائن کے سامنے رکھ دی۔ روپوں کی جھنکار سن کر تخت سنگھ اٹھ بیٹھا۔ بولا "رانی ہم اس کے بھوکے نہیں۔۔۔ مرتے دم گنہگار نہ کرو۔" (۴)

رانی اس بات کا مطلب سمجھ نہ پائی تھی۔ تخت سنگھ کی وفات کے بعد ٹھکرائن کی بگڑی حالت دیکھ کر رانی نے اس کی مدد کرنا چاہی تو اس نے بھی یہی کہا:

> "ایک روز انھوں نے آٹا دال چاول تھالیوں میں رکھ کر اس کے پاس بھیجا۔ ریوتی خود لے کر گئی مگر بوڑھی ٹھکرائن آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی: "جب تک آنکھوں سے سوجھتا ہے اور ہاتھ پاؤں چلتے ہیں مجھے اور مرنے والے کو گنہگار نہ کرو۔" (۵)

یہ انا نہیں، اس سے الگ طرح کا رویہ تھا۔ میاں بیوی اپنے اخلاص کے عوض کچھ نہیں چاہتے تھے۔ اسے فوق الانا کہا جا سکتا ہے۔ اس حقیقت کا اظہار کہ انسان کے اندر اس قدر ارفع (Sublime) ہونے کے امکانات بھی موجود ہیں۔ "وفا کا دیوتا" میں ہوری لال بیوی کی وفات

کے بعد بھی اس کو پوجتا ہے۔ مس اندرا کی صورت میں دیوی نما خاتون اس کی زندگی میں آئی؛ مگر وہ اپنی وفا کا سودا نہ کر سکا۔ ہوری لال کے دوست نے اسے لاکھ سمجھایا کہ اپنی زندگی میں آنے والی اس دیوی کی قدر کرے؛ مگر وہ نہ مانا:

> "یہ عورت نہیں، ایشور کی بھیجی ہوئی کوئی دیوی تھی جو تیری اندھیری زندگی کو دوبارہ روشن کرنے کے لیے آئی تھی۔ جی چاہتا ہے تمھیں اوپر سے دھکیل دوں، نامعقول۔" ہوری لال نے اپنی بیوی کی تصویر کی طرف دیکھا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولے: "میں تو اسی کا ہوں بھائی جان اور اسی کا ہو کر رہوں گا۔"(٦)

بیوی کی وفات کے بعد نئی شادی کا بہترین موقع ملنے کے باوجود شادی سے انکار کر دینا اس حقیقت کی غمازی ہے کہ انسان جسمانی خواہشات کے علاوہ بھی کچھ تقاضوں کی تکمیل چاہتا ہے۔ شادی نہ کرنے کا فیصلہ اگرچہ حقیقت پسندانہ فیصلہ نہیں تھا؛ مگر کچھ انسانوں کے اندر رومانوں کو زندہ رکھنے کی خواہش کے ہونے سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

"وفا کی دیوی" میں تلیا جنسی ضرورت قربان کر کے خاوند سے روحانی رشتہ نبھاتی ہے۔ تلیا کی شادی پانچ سال کی عمر میں ہوئی۔ شوہر پورب میں نوکری کرتا تھا۔ اسے خط اور روپیہ بھیجتا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی صورت تک نہیں دیکھی تھی لیکن ایک دوسرے کے حق میں بیٹھے رہے۔ بنسی سنگھ نے تلیا کے خاوند کی عدم موجودگی میں اسے محبت جتلانے کی بہت کوشش کی؛ مگر ناکام رہا۔ اسی غم میں اس نے خودکشی کر لی۔ بنسی سنگھ کے بھائی ٹھاکر گردھر نے اپنی بھابھی کو اس کے بچے سمیت گھر سے نکال دیا۔ آدھی جائیداد سے بھی بے دخل کر دیا۔ ٹھکرائن کو تلیا نے اپنے جھونپڑے میں رہنے کی دعوت دی جو اس نے قبول کر لی۔ ٹھکرائن نے ٹھاکر گردھر سے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ تلیا نے اس کے آگے منت سماجت کر کے یہ کام اپنے ذمے لینے کو کہا:

> "ابھی تم مت جاؤ بہن، مت جاؤ! پہلے مجھے اپنی طاقت آزما لینے دو۔ میری آبرو چلی بھی گئی تو کون ہنسے گا۔ تمھاری آبرو کے پیچھے ایک خاندان کی آبرو ہے۔"(٧)

تلیا نے ٹھاکر کو اداؤں سے لبھا کر آدھی جائیداد ٹھکرائن کے نام لگوا دی۔ وفا کی دیوی نہ صرف اپنے شوہر کی وفادار ہے بلکہ ٹھکرائن کے ساتھ اس کا فیاضانہ رویہ قربانی، ایثار پسندی اور محبت کی مثال ہے۔ "قاتل" میں بوڑھی ماں بیٹے کے ہاتھوں بے گناہ انسان کی جان بچانے کی خاطر اس کی گولی کا نشانہ خود بن جاتی ہے۔ وہ ایثار سے آگے بڑھ کر اپنی جان تک قربان کر دیتی ہے۔

"نمک کا داروغہ" میں منشی بنسی دھر دولت کی خاطر اپنی ایمان داری کا سودا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ معاشی طور پر غریب ترین ہونے کے باوجود دیانت داری پر دولت قربان کر دیتا ہے۔ بنسی دھر کا الوپی دین کو گرفتار کرنا آسان نہیں تھا۔ بنسی دھر اس سے کئی فائدے حاصل کر سکتا تھا؛ مگر اس نے بے غرضی کا مظاہرہ کیا۔ الوپی دین بڑی آسانی سے نہ صرف بری ہو گیا بلکہ بنسی دھر کی نوکری بھی اس سے چھڑوادی۔ ایک روز خود ہی اس کے گھر جا کر اسے اپنی ساری ملکیت کا مختار عام بنانے کی پیش کش کر دی۔ بنسی دھر نے بھی اس کے اخلاص کی قدر کرتے ہوئے پیش کش قبول کر لی۔

پریم چند کے کئی افسانوں میں مثبت کردار منفی کرداروں پر اثر انداز ہو کر ان کی کایا کلپ کرتے ہیں۔ مثلاً افسانہ "پچھتاوا" میں ظالم زمیندار کنول بشال سنگھ کی اس کا مختار عام پنڈت درگاناتھ اپنے رویے سے قلب ماہیت کرتا ہے۔ پنڈت درگاناتھ نے کنول سنگھ کا مختار عام ہونے کے باوجود غریب طبقے سے ایمان داری اور محبت کا رویہ قائم رکھا۔ درگاناتھ ظاہری تہذیب و تمدن کے دائرے میں رہ کر آسانی سے اپنی ناجائز خواہشیں پوری کر سکتا تھا؛ مگر اس نے اپنی خواہشات ترک کر کے غریب طبقے کا نہ صرف ساتھ دیا بلکہ حقیقی تہذیب کی لاج بھی رکھی۔ "تہذیب کا راز" میں پریم چند، رائے کشور کے ہاتھوں تہذیب کو خطرے میں دیکھتے ہیں تو اس افسانے میں پنڈت کی شخصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تہذیب سے پر امید نظر آتے ہیں:

> "وہ پنڈت سچا اور دھرماتما آدمی تھا۔ اس میں مصلحت اندیشی نہ ہو، موقع شناسی نہ ہو، مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سچا اور بے لوث تھا۔"(۸)

کنول بشال سنگھ کا زندگی کے آخر پر بیٹے کو پنڈت درگاناتھ کے سپرد کر دینے کا فیصلہ اس نفسیاتی حقیقت کا اظہار ہے کہ بشال سنگھ خواہ کتنا ہی ظالم انسان تھا؛ مگر اس کے اندر بھی خیر سے روشنی پانے کا جذبہ موجود تھا۔

> "پتی جی! ہم کو اور اس اناتھ بالک کو کس پر چھوڑے جاتے ہو۔" کنور صاحب نے آہستہ سے کہا،
> "پنڈت درگاناتھ پر۔ وہ جلد آئیں گے۔ ان سے کہہ دینا کہ میں نے اپنا سب کچھ اس کے بھینٹ کر دیا۔ یہ میری آخری وصیت ہے۔"(۹)

افسانہ "عفو" میں شیخ حسن کا بیٹے کے قاتل کو معاف کرنا قربانی کی مثال ہے۔ شیخ حسن اور اس کا بیٹا مسلمان تھے۔ قاتل غیر مسلم تھا۔ مسلمان قاتل کے خون کے پیاسے تھے۔ شیخ حسن نے نہ صرف بیٹے کا خون معاف کر دیا بلکہ قاتل کو بھی پناہ دی۔ "ادیب کی عزت" میں قمر

شہرت کا "مزہ" چکھنے کے بعد ادیب کی حقیقی عزت دریافت کرتے ہیں۔ وہ ادیب کو بے لوث جلنے والا چراغ اور ادب لکھنے کے عمل کو عبادت قرار دیتے ہیں:

> "آج مجھے ہمیشہ کے لیے سبق مل گیا۔ میں چراغ ہوں اور جلنے کے لیے بنا ہوں۔ میں یہ بات بھول گیا تھا۔ مگر خدا نے زیادہ بھٹکنے نہ دیا۔ میرا یہ جھونپڑا میرے لیے جنت ہے۔ میں نے آج سمجھ لیا کہ ادبی خدمت پوری عبادت ہے۔"(۱۰)

مذکورہ افسانوی کرداروں کا زندگی سے متعلق یہ رویہ اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ انسان کے اندر محبت، قربانی اور ایثار کا جذبہ تو موجود ہے؛ مگر عموماً اس کا اظہار کم ہو پاتا ہے۔ یہ جذبات انسانی ذات میں ہوتے ہیں؛ مگر دبے ہوئے۔ خود غرضی، حسد اور لالچ کا غلبہ ان جذبات کو دبا دیتا ہے۔ کیرول ایس پیرسن انسان کے اندر قربانی کے جذبات کی حقیقت سے متعلق لکھتی ہیں:

> I believe that human beings have an innate need to sacrifice for something beyond themselves.(11)

بہ ظاہر کسی کی خاطر کچھ کرنا اپنا نقصان کرنے کے مترادف لگتا ہے؛ لیکن متناقضاتی طور پر اپنا حقیقی فائدہ ایثار اور خیر خواہی کے جذبات ہی میں مضمر ہوتا ہے۔ ابراہم ماسلو اپنی کتاب Peak Experience میں انسانی ضرورتوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے بنیادی ضرورتوں کو جسمانی ضرورتوں تک محدود سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان کو صرف جسمانی ضرورتوں کی تکمیل خوش نہیں رکھ سکتی؛ انسان پنے اندر محبت، عزت اور تحفظ کی ضرورت سے آگے بڑھ کر Self Actualization کی منزل تک پہنچنے کی خواہش بھی رکھتا ہے۔ بقول شہزاد احمد:

> "ماسلو کا عقیدہ تھا کہ جب انسان کی نچلی ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں، تو وہ اعلیٰ تر ضرورتوں کی اقلیم میں داخل ہونے کی کوشش کر دیتا ہے۔ چنانچہ اساسی طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ شرافت اور ہمدردی اس کی ذاتی تحفظ کے مظاہر نہیں ہیں بلکہ انسان کی فطرت کے اندر لازمی عنصر کے طور پر موجود ہیں۔"(۱۲)

انسانی روح کے علاوہ حیاتیاتی طور پر محبت کے جذبات کا انسانی صحت پر کس قدر مثبت اثر ہوتا ہے، کیرول ایس پیرسن اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتی ہیں:

> We all know the sence of joy and self esteem that results when we act to help others. Scientific research even suggests that doing so strengthens our immune system.(13)

ایرک فرام کے نزدیک بھی دوسروں کے لیے کچھ کر گزرنے والا ہی حقیقی طور پر امیر انسان ہوتا ہے۔ امیر انسان ہونے سے مراد فکر اور احساس کی سطح پر وسیع القلب ہونا ہے۔ پریم چند کے افسانوں میں بچے بھی اس وسیع القلبی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ ایثار و قربانی کے جذبوں سے معمور نظر آتے ہیں۔ "بوڑھی کاکی" میں بدھ رام اور روپا بے حس ہو گئے؛ مگر ان کی ننھی بیٹی لاڈلی میں فطری طور پر رحم دلی کا جذبہ موجود تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے ماں باپ اپنی ظاہری نیک نامی کی خاطر باہر والوں کو پوریاں کھلانے کا بندوبست کر چکے تھے؛ مگر اپنے ہی گھر میں بوڑھی کاکی بھوک سے نڈھال تھی۔ وہ اپنے حصے کی پوریاں ماں کی نظر سے بچا کے بوڑھی کاکی تک لے گئی:

> "کاکی اٹھو میں پوریاں لائی ہوں۔" کاکی نے لاڈلی کی آواز پہچانی۔ چٹ پٹ اٹھ بیٹھیں۔ دونوں ہاتھوں سے لاڈلی کو ٹٹولا اور اسے گود میں بٹھالیا۔ لاڈلی نے پوریاں نکال کر دیں۔ کاکی نے پوچھا۔ کیا تمھاری اماں نے دی ہیں۔ "لاڈلی نے فخر سے کہا۔ "نہیں یہ میرے حصے کی ہیں۔" (۱۴)

پریم چند کے افسانوی کرداروں پر جہاں Altruist کا آرکی ٹائپ غالب ہے وہاں کئی کردار انسانیت کا تاریک رخ بھی دکھاتے ہیں۔ مثلاً "راہ نجات" کے بدھو اور جھینگر سراسر تباہ کار ہیں۔ ان کے اپنے ہی خیالات ان کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ بوڑھی کاکی جوان بیٹوں (سات) کی وفات کے بعد اپنی جائیداد بھتیجے کے نام لگا دیتی ہے؛ مگر بدھ رام اور روپا کی خود غرضی اسے بنیادی ترین ضرورتوں سے محروم کر کے رکھ دیتی ہے۔ "سوا سیر گیہوں" میں غریب شنکر، پنڈت کی خود غرضی اور ظلم کا شکار ہوا۔ "پوس کی رات" میں یہی کچھ شہنا نے ہلکو کے ساتھ کیا۔ "کفن" میں مادھو اور گھیسو کو حیوانی سطح پر لانے میں جاگیر دار طبقے کا بھی عمل دخل تھا۔ "آہ بے کس" میں منشی سیوک نے بیوہ خاتون کے پیسے ہڑپ کر کے اسے پاگل کر دیا۔ "بھاڑے کا ٹٹو" میں رمیش کا قریبی دوست اس قدر حریص نکلا کہ اس کا مقدمہ لڑنے کے لیے اس کی

بیوی سے دولاکھ روپیہ لے لیے۔ اچھاخاصا دولت مند ہونے کے باوجود بھی وہ رمیش کا مقدمہ بغیر پیسوں کے لڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔ رمیش، جسونت کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے اس سے یوں مخاطب ہوتا ہے:

> "آپ نے ہمت سے کام لیا، خود غرضی سے کام لیا۔ آپ اپنی غرض کے معتقد ہیں۔ میں نے اپنی زندگی کا بہت برا استعمال کیا، لیکن اسے آپ کی زندگی سے تبدیل کرنے کو کسی حالت میں تیار نہیں ہوں۔ آپ مجھ سے شکریہ کی امید نہ رکھیں۔"(۱۵)

"شانتی" میں کیدار کی بدفطرتی نے بیوی کو خودکشی پر مجبور کر دیا۔ "ستی" میں ایک طرف راجا ساہوس پرست انسان ہے جو بیوی کی وفات کے چھ ماہ بعد ملیا(کلو کی بیوی) کو شادی کی پیش کش کرتا ہے تو دوسری طرف ملیا جیسی وفا کی دیوی ہے جو شوہر کی وفات کے بعد راجا سے سیدھے منہ بات کرنے کے بجائے اسے بے عزت کرتی ہے۔ جہاں "وفا کی دیوی "تلیا" اور "ستی" کی ملیا اپنے شوہروں پر جان چھڑکتی ہیں وہیں" مس پدما" ایک ایسی آزاد خیال عورت ہے جو شوہر پرستی کا مذاق اڑاتی ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر پدما کے کردار کی نفسیات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "پدما تعلیم یافتہ اور آزاد عورت کی مظہر ہے۔ ایسی عورت حصول تعلیم اور معاشی آزادی کے بعد مرد سے جذباتی مسابقت پر اتر آئی ہے۔ پدما اور اس جیسی آج کی تعلیم یافتہ آزاد عورت کا سب سے بڑا المیہ ہی یہ ہے کہ وہ اس غیر مشروط سپردگی سے محروم ہو چکی ہے جو کامیاب ازدواجی تعلقات کے لیے بالعموم اور آسودہ ازدواجی جنس کے لیے بالخصوص لازم ہے۔"(۱۶)

افسانہ "نئی بیوی" میں لالہ جی بھی بیوی کی وفات کے چھ ماہ بعد بیٹی کی عمر کی لڑکی سے شادی کر لیتے ہیں۔ افسانہ اس حقیقت کا بھی غماز ہے کہ ایک نوجوان لڑکی کا ایک بوڑھے سے فطری جنسی رشتہ استوار ہونا مشکل ہے۔ آشا(لالہ جی کی نوجوان بیوی) کا لالہ جی کے نوکر جگل کی طرف کھنچنا مذکورہ حقیقت کی عکاسی ہے۔ افسانے کے انجام پر آشا اور لالہ جی کے جنسی تعلق کی حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے:

> "موٹر کی آواز آئی۔ نہ جانے کیسے آشا کے سر کا آنچل کھسک کر کندھے پر آ گیا تھا اس نے جلدی سے آنچل سر پر کھینچ لیا۔ اور یہ کہتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی۔ "لالہ کھانا کھا کر چلے جائیں گے، تم ذرا آجانا۔"(۱۷)

ذکر کیے گئے تمام افسانوں میں دو طرح کے کردار ہی نظر آتے ہیں: نیک فطرت اور بد خصلت۔ سوال یہ ہے کہ انسان فطری طور پر ہی بے غرض یا خود غرض ہوتا ہے یا ماحول کے زیر اثر اس کی فطری کا تعین ہوتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں تین طرح کی آرا ملتی ہیں: پہلی رائے کے مطابق انسان فطرتاً خود غرض اور بد کار ہے۔ پریم چند بھی اپنے افسانے "سفید خون" میں لکھتے ہیں:

"قدرت نے جانداروں کو ایک خاصیت عطا کی ہے اور وہ خود غرضی ہے۔"(۱۸)

دوسری رائے کے مطابق انسان فطرتاً نیک دل ہوتا ہے، جو دوسروں کو آزار پہنچانے کے بجائے ان کا خیال رکھ کے خوشی محسوس کرتا ہے۔ تیسری رائے کے پیش نظر انسان فطرتاً نہ تو نیک ہے اور نہ ہی بد؛ بلکہ اس کے نیک اور بد ہونے کا تعین وہ ماحول کرتا ہے جہاں وہ پرورش پاتا ہے۔ کونریڈ لورنز (فلسفی) کے مطابق انسان فطرتاً تشدد پسند ہے۔ فرائیڈ کے مطابق انسان میں خیر اور شر کی دونوں جبلتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک وقت میں ایک جبلت جاگتی ہے؛ جبکہ دوسری خوابیدہ ہوتی ہے؛ مگر ختم نہیں۔ انسانی فطرت سے متعلق بیوک کے خیالات بھی قابل ذکر ہیں۔ اس کے نزدیک انسانی شعور کے سفر کا ایک پڑاؤ اخلاقی شعور Moral Sence ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"جس طرح کئی لوگ پیدائشی طور پر رنگوں کی تمیز نہیں کر سکتے اور Colour Sence نہ ہونے کی وجہ سے Colour Blind کہلاتے ہیں اسی طرح بعض لوگ Moral Sence نہ ہونے کی وجہ سے Morally Blind ہوتے ہیں۔"(۱۹)

ایسے لوگ ہی دوسروں کے دکھ اور درد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ انسانی فطرت سے متعلق مندرجہ بالا آرا میں سے کسی ایک رائے کو حتمی سمجھ کر اس پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا۔ مذکورہ آرا کے پیش نظر انسانی فطرت کا جائزہ لیا جائے تو اس کے اندر خیر اور شر دونوں پہلو موجود ہیں۔ بعض انسان اپنے خیالات کی تہذیب کر کے شر پسند جبلتوں پر قابو پا لیتے ہیں؛ جبکہ کچھ خود غرضی، حسد اور تشدد کی جبلت پر غالب آنے کے لیے اتنی ریاضت نہیں کر پاتے جس حد تک کہ اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایرک فرام بھی محبت کو فطری قرار نہیں دیتے بلکہ ان کے نزدیک محبت باقاعدہ ایک آرٹ ہے جسے سیکھا جا سکتا ہے۔ اپنی کتاب Art of Loving میں وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

Love is not something natural, Rather it requires discipline, concentration, patience, faith, and the overcoming of narcissism. It

is not a feeling, it is a practice.(20)

انسان کے حیاتیاتی و نفسیاتی ارتقا کا جائزہ لیا جائے تو پہلی سطح پر وہ اپنی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے فطرت کی اولین سطح پر ہی ہوتا ہے۔ ان ضرورتوں کی تکمیل پر ہی وہ اعلی ضرورتوں کی طرف سفر کرتا ہے۔ اس سطح پر خوشی کا تعلق دوسروں سے محبت اور دردمندی کے جذبات سے جڑ جاتا ہے۔ دوسروں کا خیال رکھ کے، دوسروں سے محبت کر کے انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے وجود کی حفاظت کر رہا ہے؛ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر کوئی ان ضرورتوں کو محسوس کرے۔ کم انسان ہی بنیادی ضرورتوں سے آگے بڑھ کے داخلی زندگی کی اقلیم میں داخل ہو پاتے ہیں۔ عام طور پر تو وہ جسمانی لذتوں کا پہلے سے بھی زیادہ شکار ہو جاتے ہیں۔ بقول ول ڈیورانٹ:

> "جب بنیادی ضرورتیں پوری ہو جائیں اور انسان اپنی توجہ روٹی اور پیسے سے ہٹانے کے اہل ہو جائے تو پھر اس کی روح کو جنس کے سرور اور جبر سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ نتیجتاً وہ اقوام مثلاً امریکہ، انگلستان، جرمنی، فرانس وغیرہ بھوک اور افلاس کا مسئلہ حل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور یہی وہ ممالک ہیں جہاں جنسی آزادی بے حد فراواں اور غیر ذمہ داری کی حد تک بڑھی ہوئی ہے۔"(۲۱)

بلاشبہ انسان کا مہذب ہو پانا آسان نہیں؛ مگر یہ ناممکن بھی نہیں۔ پریم چند کے افسانوں میں ہم ایسے کرداروں سے ملتے ہیں جو اپنے آپ کو منفی جذبات کے سپرد کرنے کے بجائے انسانی اخلاقیات اور تہذیب کی اعلی سطح پر نظر آتے ہیں۔ گویا پریم چند محض سماجی حقائق کے بیان ہی سے معاشرے کو تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کرتے؛ بلکہ انسان کی داخلی دنیا کے حسن کو بے نقاب کر کے آدمی کے اندر حسن اور خیر کے جذبات کو بھی بیدار کرنے کی بلواسطہ طور پر کوشش کرتے ہیں۔ پریم چند کے افسانوی ادب میں نرمی، محبت اور ایثار کے جذبات کا اظہار بلا تفریق رنگ و نسل تمام انسان کرتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ یہ جذبات محض کمزور یا پھر محض طاقت ور طبقے کے ہاں ہی دکھائی دیتے ہیں۔ دوسری طرف انسانی تاریکی کا اظہار بھی پریم چند کے دونوں طرح کے (بورژوا اور پرولتاری طبقہ) افسانوی کرداروں کے ہاں ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ پریم چند جاگیر دار طبقے کے مظالم کی مذمت؛ جبکہ غریب طبقے کی حمایت کرتے ہیں؛ مگر انسانی اخلاقیات کے تناظر میں وہ دونوں قسم کے کرداروں کے تاریک اور روشن پہلوؤں کو بلا اختصاص قارئین کے سامنے لے کے آتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ محمد طارق چودھری، (مرتبہ) پریم چند کے شاہکار افسانے، چودھری اکیڈمی، لاہور، س۔ن، ص:۸

۲۔ ایضاً، ص:۸

۳۔ کیرول ایس پیرسن، The Hero Within، ہارپرون، نیویارک، ۱۹۹۸ء، ص:۱۰۲

۴۔ آصف نواز چودھری، (مرتبہ) پریم چند کے سو افسانے، چودھری اکیڈمی، لاہور، س۔ن، ص:۴۶

۵۔ ایضاً، ص:۴۷

۶۔ محمد طارق چودھری، (مرتبہ) پریم چند کے شاہکار افسانے، ص:۶۷۹

۷۔ منشی پریم چند، زادراہ، کشمیر کتاب گھر، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص:۲۶

۸۔ محمد طارق چودھری، (مرتبہ) پریم چند کے شاہکار افسانے، ص:۱۵۹

۹۔ ایضاً، ص:۱۶۱

۱۰۔ ایضاً، ص:۵۷۸

۱۱۔ کیرول ایس پیرسن، The Hero Within، ص:۱۲۸

۱۲۔ شہزاد احمد، ابراہام ماسلو، اعلیٰ ترین انسانی واردات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص:۲۴۸

۱۳۔ کیرول ایس پیرسن، The Hero Within، ص:۱۲۷

۱۴۔ محمد طارق چودھری، (مرتبہ) پریم چند کے شاہکار افسانے، ص:۲۴۸

۱۵۔ ایضاً، ص:۲۵۷

۱۶۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، افسانہ: حقیقت سے علامت تک، اظہار سنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص:۱۱۸

۱۷۔ محمد طارق چودھری، (مرتبہ) پریم چند کے شاہکار افسانے، ص:۶۲۹

۱۸۔ ایضاً، ص:۳۹

۱۹۔ خالد سہیل، اپنا قاتل، مشعل پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص:۱۶۴

۲۰۔ ایرک فرام، The Art of Loving، جیارج ایلن، لندن، ۱۹۵۶، ص:۳۴

۲۱۔ ول ڈیوراں، خزاں زدہ پتے، (مترجم) ثوبیہ طاہر، نگارشات، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص:۹۹